رشید احمد ایم۔ اے

ماوردی کے سیاسی افکار

دریائے زاب کے کنارے بنی اُمیہ کے آخری فرمانروا مروان ثانی کی شکست نے عربی اقتدار کے خاتمہ کا پیغام سُنایا۔ پھر ہارون الرشید کے بیٹوں کی باہمی کش مکش نے جس کا خاتمہ امین کے قتل سے ہوا کم از کم مشرق میں عربوں کی بالادستی کو ختم کر کے رکھدیا۔ اقتدار کی گدی پر خراسانی اور ایرانی براجمان ہو گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زندگی کے تمام شعبوں پر عجمی نظریات اور تصوّرات کا غلبہ ہو گیا اسلامی نظریاتِ سیاست بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ چنانچہ گیارہویں صدی عیسوی میں سیاسی مفکرین کی ایک بھاری اکثریت عجمی دستور کی حامی تھی تاہم ایک گروہ ایسا بھی تھا جو خالص عربی اور اسلامی طرزِ حکومت کی تجدید کے لئے کوشاں تھا۔ اس مؤخر الذکر گروہ کا سربراہ ماوردی تھا۔

ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی عراق کے مردم خیز ملک میں ۹۷۴ء میں پیدا ہوا۔ تحصیلِ علم سے فراغت پانے کے بعد بغداد اور کوفہ جیسے مراکزِ علم میں معلمی کے فرائض انجام دینے لگا۔ لیکن درس و تدریس کا یہ سلسلہ زیادہ عرصہ جاری نہ رہ سکا کیونکہ اسے نیشاپور میں قاضی کا عہدہ سنبھالنا پڑا۔ آخر کار خاکِ بغداد دامن کش ہوئی، اور یہیں ماوردی نے مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہ زمانہ بغداد کے لئے نہایت سخت تھا۔ اس پر آل بویہ کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ماوردی کے تعلقات ابتدا میں آل بویہ سے خوشگوار تھے۔ لیکن بویہی فرمانروا جلال الدولہ نے خلیفہ سے ملک الملوک کے خطاب دینے کی درخواست کی تو ماوردی نے اس کی شدید مخالفت کی اور فتویٰ دیا کہ باری تعالےٰ کے سوا اس خطاب کا کوئی مستحق نہیں ہے۔ اس واقعہ کے بعد آل بویہ ماوردی کے مخالف ہو گئے۔ ۱۰۵۸ء میں زوال بغداد سے پورے دو سو سال قبل ماوردی نے ۸۶ سال کی طویل عمر پا کر انتقال کیا۔

تصانیف ماوردی نے متعدد علوم پر کتابیں لکھی ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، کلام، سیاست غرضیکہ اپنے زمانہ کے مروجہ علوم میں سے شاید ہی کوئی ایسا علم ہو جس پر ماوردی کی کوئی نہ کوئی تصنیف موجود نہ ہو۔ اس کی تصانیف میں مندرجہ ذیل کتابوں نے بہت شہرت حاصل کی:-

(۱) کتاب الاحکام السلطانیہ (۲) تفسیر القرآن (۳) کتاب الحادی الکبیر فی الفروع (۴) نصیحۃ الملوک (۵) تسہیل النظر فی تحصیل الظفر (۶) قوانین الوزارۃ (۷) اعلام النبوۃ (۸) ادب القاضی۔

اسبکی نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف طبقات الشافعیہ میں لکھا ہے کہ ماوردی کی کوئی تصنیف اس کی زندگی میں شائع نہیں ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ ان کتابوں کے لکھنے میں اتنا خلوص کارفرما نہیں ہے جتنا کہ تصانیف میں درکار ہے۔ اور پھر ماوردی کو شبہ تھا کہ خداوند تعالےٰ نے اس کی تصانیف کو شرفِ قبولیت بھی بخشا یا نہیں۔ ماوردی نے اپنے ایک دوست کو وصیت کی کہ وہ وفات کے وقت موجود رہے اور عالمِ نزاع میں اپنا ہاتھ ماوردی کے ہاتھ میں دیدے اگر ماوردی اسے مضبوط پکڑ لے تو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اللہ تعالےٰ نے اس کی تصانیف کو پسند نہیں فرمایا۔ ایسی صورت میں اس نے وصیت کی، اس کی تمام کتابیں دریا برد کر دی جائیں لیکن اگر دوست کا ہاتھ مضبوطی سے نہ تھاما جائے تو یہ نتیجہ اخذ کرنا چاہئے کہ خداوند تعالےٰ اس کی تصنیفات کو پسند کرتا ہے۔ ایسی صورت میں ان کی اشاعت کی وصیت کی۔ آخر کار وصیت کے مطابق نزاعی عالم میں دوست نے ماوردی کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا تو اس نے اسے نہیں پکڑا اور اس کی کتابیں شائع کر دی گئیں۔

ماوردی نے اگرچہ مختلف علوم پر کتابیں لکھی ہیں لیکن سیاسیات میں اسے جو شہرت حاصل ہوئی وہ کسی اور میدان میں نہیں مل سکی۔ بالخصوص اس کی غیر فانی کتاب الاحکام السلطانیہ ایک ہزار سال گذر جانے کے باوجود لاجواب کتاب ہے۔ اس کی حیثیت اب بھی اسلامی دستور کے ایک اہم ترین ماخذ کی ہے۔ یہ کتاب بیس بابوں میں منقسم ہے جن میں سیاسیات کے ہر ہر پہلو سے بحث کی گئی ہے۔ خلافت، وزارت، ولایت، سپہ سالاری، پولیس، قضا، امامت الصلوٰۃ، خراج، ملکی تقسیم، اراضیات اور احتساب غرضیکہ کوئی ایسا موضوع نہیں جس کا ماوردی نے تفصیلی جائزہ نہیں لیا ہو اور جس کے متعلق زریں اصول متعین نہ کئے ہوں۔ الاحکام السلطانیہ کے علاوہ سیاسیات پر قوانین الوزارۃ، تسہیل النظر فی تحصیل الظفر اور نصیحۃ الملوک بھی قابلِ قدر کتابیں ہیں۔

اسلوب بیان

ماوردی کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والا شروع سے آخر تک یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ قرونِ اولیٰ میں ہے۔ ماوردی نے اپنے زمانے کے حالات سے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اسے عہدِ رسالت اور خلفاء راشدہ کے سہانے خواب دکھلائی دیتے رہے۔ وہ گردشِ ایام کے پیچھے کی طرف دوڑنے کا متمنی تھا۔ اگرچہ اس کے اپنے زمانے میں اسلامی سیاست کی جڑیں ایرانیوں اور ترکوں نے اکھاڑ کر نہ سہی کم از کم ہلا کر ضرور رکھ دی تھیں۔ لیکن بایں ہمہ وہ بدلے ہوئے حالات سے قطعًا اثر قبول کرنے کے لئے آمادہ نظر نہیں آتا۔ بقول شروانی صاحب کے ماوردی کا مقابلہ ارسطو سے ہی کیا جا سکتا ہے جس نے حالاتِ حاضرہ سے یکسر بے اعتنائی برتی اور اسپارٹا اور ایتھنس کی شہری حکومتوں کو بطور معیار پیش کیا۔ اگرچہ یہ دونوں حکومتیں برسوں پہلے مقدونیا کی حکومت کے ہاتھوں تباہ ہو چکی تھیں۔

ماوردی کا طرزِ استدلال اسلامی ہے۔ وہ قرآن و احادیث کو سرچشمۂ ہدایت سمجھتا ہے۔ اپنے خیالات کی توضیح

دیتا یعنی حتی الامکان قرآنِ کریم کے ذریعہ کرتا ہے۔ مثلاً اس امر کی وضاحت کے لئے کہ فرمانروا کو عیش و آرام کی زندگی سے احتراز کرنا چاہیئے وہ ان آیات کو پیش کرتا ہے جن میں اللہ تعالےٰ نے حضرت داؤد کو تفویضِ خلافت کے وقت ہدایات دی تھیں۔ مصارف زکوٰۃ کو متعین کرنے کے لئے آیت زکوٰۃ بطور دلیل پیش کرتا ہے۔ لیکن اگر کسی مسئلے کے متعلق قرآن مجید خاموش ہو تو وہ احادیث نبوی سے استدلال کرتا ہے مثلاً اس نے امام کو اپنا جانشین مقرر کرنے کے ثبوت میں جنگِ موتہ کا واقعہ نقل کیا ہے جس میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے تین سپہ سالار نامزد فرمائے۔

ماوردی کے نزدیک صحابہ کرام کے اقوال و افعال بھی قابلِ حجت ہیں۔ جنگِ جمل میں جب جیش عائشہؓ کو شکست کھا کر میدان چھوڑنا پڑا تو حضرت علیؓ نے ان کا تعاقب کرنے اور ان کے مال پر قبضہ کرنے سے منع فرمایا۔ کیونکہ وہ لوگ مسلمان تھے۔ اس واقعہ سے ماوردی نے یہ اصول مترتب کیا ہے کہ متحاربین مسلمان ہوں تو غالب کے لئے مغلوب کا تعاقب کرنا اور ان کے مال کو مالِ غنیمت قرار دینا جائز نہیں ہے۔ ماوردی نے صحابہ کے علاوہ تابعین اور تبع تابعین کے طرزِ عمل سے بھی سیاسی احکامات کا استنباط کیا ہے۔ خلافت کے عہدے کی اہمیت کا اظہار حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے خطبے سے کیا ہے۔ کہیں کہیں نامور مسلم فرمانرواؤں کے اقوال سے بھی سیاسیات کے اصول متعین کئے ہیں۔ وزارت کی اہمیت مامون کے مقولے سے ظاہر کی گئی ہے۔

لیکن یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ماوردی کے تمام دلائل خالص اسلامی ہیں اس نے کبھی کبھی ہمعصر سیاسیات پر بھی اپنے دعوئی کی بنیاد رکھی ہے اور غیر مسلموں کے تاریخی حقائق سے بھی نظیریں پیش کی ہیں۔ قضا کی اہمیت کا اظہار قدیم عربوں کے دستور و رواج سے نیز ساسانی حکومت کے واقعات سے کیا گیا ہے۔

ماوردی اگرچہ شافعی مذہب کا پیرو تھا اور تعلیم و تدریس اور افتا میں ہمیشہ امام شافعی اور ان کے شاگردوں کے مسلک پر گامزن رہا تاہم اس کی تصانیف میں عام شوافع کے خلاف عقلیت کی جھلک جابجا ملتی ہے مثلاً امامت کو قرآن و احادیث سے ضروری ثابت کرنے کے بعد ماوردی کہتا ہے کہ منصبِ امامت عقلاً بھی ضروری ہے۔ اس طرح اکثر نقلی دلائل کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل بھی پیش کرتا ہے۔

ماوردی کی تصانیف، اس کے اسلوب بیان اور طرزِ استدلال سے بحث کر لینے کے بعد ہم اس موقف میں ہیں کہ مختلف سیاسی اداروں کے بارے میں ماوردی کے جو نظریات ہیں یا نظامِ حکمرانی کے سلسلے میں اس نے جو اصول متعین کئے ہیں ان کا تفصیلی جائزہ لیں تاکہ اس کی سیاسی حکمت کا اظہار ہو سکے۔

سیاسی نظریات

امامت۔ ماوردی کی کتاب الاحکام السلطانیہ کا یہ پہلا باب ہے اس میں اس نے امامت کی اہمیت، اس کی

ضرورت، مقصد و وجوب کے علاوہ طریقۂ انتخاب سے بھی بحث کی ہے اس سلسلے میں رائے دہندگان کی اہلیت پر بھی روشنی ڈالی ہے اور امام کے مطلوبہ اوصاف نیز اس کے فرائض منصبی بھی بیان کئے ہیں۔

ماوردی نے خلافت کی ضرورت سے بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکامات اور قوانین لوگوں تک پہنچا دئے ہیں تاکہ ان کی رو سے مقدمات کا تصفیہ کیا جائے اور باہمی خصومات کا فیصلہ ہو۔ نیز اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظم و نسق مختلف حکومتوں کے سپرد کر رکھا ہے تاکہ دنیا کا نظام درہم برہم نہ ہونے پائے۔ ماوردی کی رائے میں امامت وہ بنیاد ہے جس پر قانون و احکام کی لق و دق عمارت کھڑی ہے اس لئے اس کے نزدیک امامت کے دو مقاصد ہیں۔ اوّل یہ کہ حق و انصاف کا دنیا میں بول بالا ہو اور دوئم نیک و بد، خیر و شر، ماموارت اور منہیات میں تفریق کرے۔

امامت کی ضرورت کو ماوردی نے تاریخ و روایات کے ذریعہ ثابت کرنے کے بعد کہا ہے کہ امامت عقلاً بھی ضروری ہے کیونکہ تمام دانا اور سمجھدار آدمی اپنے معاملات ایک قائد کے سپرد کر دیتے ہیں تاکہ وہ ان کو ذلت و توہین سے بچائے اور باہمی نزاع کی صورت میں بے لاگ فیصلہ کرے۔

رسول اللہ صلعم کے وصال کے فوراً بعد ہی مسلمانوں میں سب سے پہلا جو اختلاف پیدا ہوا وہ اس بات پر تھا کہ جانشینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی خاص خاندان یا قبیلہ سے ہونا ضروری ہے یا کسی بھی خاندان کا آدمی اس عہدے پر فائز کیا جا سکتا ہے۔ یہ وہی سوال ہے جس نے اُمتِ مسلمہ کو آج بھی فرقوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ سب سے پہلا گروہ جو خلافت کو کسی خاص خاندان میں محدود کر دینے کے خلاف تھا وہ انصارِ مدینہ کا تھا۔ جونہی انصارِ مدینہ کو رسولِ خدا صلعم کی وفات کی مصدقہ خبر ملی وہ سقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہو گئے اور رسول اللہ صلعم کے جانشین کے انتخاب کے سلسلے میں تبادلۂ خیال کرنے لگے۔ ان کے نزدیک خلافت کے لئے اوّلین شرط خدمتِ اسلام تھی۔ تقریباً ایک چوتھائی صدی کے بعد اسی رائے کا حامی لیکن زیادہ متشدد خارجیوں کا گروہ پیدا ہوا۔ جس کے نزدیک خلیفہ ہر نیک اور صالح مسلمان ہو سکتا تھا۔ جو لوگ نیابت رسول کو کسی خاص خاندان میں محدود کر دینے کے حامی تھے وہ بھی کسی ایک رائے پر متفق نہ تھے۔ جمہور کے نزدیک خلیفہ کا صرف خاندانِ قریش سے ہونا کافی تھا خواہ اس خانوادہ کی کسی بھی شاخ سے وہ تعلق رکھتا ہو۔ لیکن ایک اور فرقہ جو آگے چل کر شیعانِ علی کہلایا اس بات کا دعویدار تھا کہ خلافت کے مستحق نہ صرف بنو ہاشم بلکہ ان میں بھی صرف آلِ فاطمہ ہیں۔ اوّل الذکر گروہ وقتی سیاست کے پیشِ نظر قریش کی خلافت کا قائل تھا جیسا کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا تھا کہ اہلِ عرب قریشی فرمانروا کے سوا کسی کو بھی اپنا حکمران تسلیم نہیں کرینگے اور مؤخر الذکر گروہ یعنی شیعانِ علیؓ وراثت کے اصول پر خلافت کو خاندانِ رسول اللہ صلعم میں محدود کر دینے کا حامی تھا۔ آگے چل کر جو لوگ قریش

ہیں سے خلیفہ کے مقرر کئے جانے کے خواہاں تھے ان کے بھی دو گروہ ہو گئے ایک گروہ کا خیال تھا کہ الائمۃ من قریش کا اشارہ محض وقتی اور عارضی تھا جب اہلِ عرب کے دل سے قریش اور غیر قریش کا فرق مٹ گیا تو یہ شرط بھی ختم ہو گئی۔ لیکن دوسرا گروہ ہمیشہ کے لئے اس شرط کو ضروری سمجھتا ہے۔ ماوردی کا تعلق اس آخری گروہ سے ہے۔

ماوردی کا خیال ہے کہ امام پوری قوم کے مشورے سے چنا جانا چاہیئے۔ لیکن ہر کس و ناکس کو رائے دینے کی وہ اجازت بھی نہیں دیتا۔ ماوردی نے اس سلسلے میں رائے دہندگان کی اہلیت سے بھی بحث کی ہے۔ اس نے ووٹر کیلئے بجائے عمر، دولت یا رہائشی قیود کے ان کے نیک، صالح، متقی، عاقل اور دانا ہونے کی شرط لگائی ہے اس کا کہنا ہے کہ ووٹر میں سب سے پہلی شرط خلوص نیت ہے اور ان کی اعلیٰ کرداری کو بھی اس نے ضروری قرار دیا ہے۔ ووٹر اس قدر عاقل و دانا ہوں کہ انتخاب کے وقت نہ صرف یہ رائے قائم کر سکیں کہ سربراہ مملکت کو کن کن صفات کا حامل ہونا چاہیئے بلکہ دو یا دو سے زائد اُمیدواروں کے متعلق رائے قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں کہ ان میں سے کون سا اُمیدوار امورِ سلطنت کی انجام دہی کے لئے زیادہ موزوں ہے۔ اگرچہ ووٹر کی یہ تمام صفات موضوعی ہیں جن کا متعین کرنا اور ان کے متعلق قانون بنانا بہت مشکل ہے تاہم ماوردی کو یہ فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے رائے دہندگان کی صفات سے باقاعدہ طور پر اسی نے بحث کی ہے۔

خلفاء راشدین کے عہد میں صرف دارالخلافہ کے باشندوں کو امام کے انتخاب میں اظہار رائے کا حق حاصل تھا۔ ماوردی نے پوری قوم میں سے چند صفات کے حاملین کو یہ حق دیا تو اس نے اس امر کی وضاحت کو بھی ضروری سمجھا کہ قرونِ اولیٰ میں انتخابات دارالخلافہ ہی کے باشندوں تک کیوں محدود تھے۔ ماوردی کا دعویٰ ہے کہ اس زمانے میں بھی اہلِ مدینہ کو خصوصی اختیارات حاصل نہ تھے بلکہ ان کی جغرافیائی پوزیشن کے لحاظ سے ان کو خود بخود چند اختیارات حاصل ہو گئے تھے۔ اہلِ مدینہ چونکہ امام کی وفات یا شہادت سے دیگر مقامات کے باشندوں کے مقابلے میں جلد مطلع ہو جاتے تھے اس لئے وہ نئے امام کے انتخاب میں پہل کر دیتے تھے تاکہ یہ اہم عہدہ بہت عرصے تک خالی پڑا نہ رہے۔ دیگر مقامات کے باشندے اس انتخاب کے بعد صاد کر دیا کرتے تھے اور اس کے علاوہ متوفی امام کا جانشین بالعموم مدینہ ہی میں ہوتا تھا۔ اس لئے وہیں کے باشندے اس کے متعلق اپنے علم اور تجربہ کی بنا پر اظہارِ رائے کے زیادہ مستحق تھے۔

ماوردی نے امام کے انتخاب کے دو طریقے بتلائے ہیں۔ اوّل یہ کہ مذکورہ بالا قسم کے رائے دہندگان کسی کو منتخب کریں یا سابق امام اس کو نامزد کرے۔

ماوردی نے امام کے اوصاف پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس کے نزدیک امام کا مرد ہونا، عاقل و بالغ اور آزاد ہونا ضروری ہے۔ کردار کا بہت بلند ہو، عدالت، سخاوت، شجاعت، تواضع، اولالعزمی اور ثابت قدمی کا مالک ہو۔

حواس واعضا صحیح سلامت ہوں۔ اتنا علم ہو کہ اجتہاد کر سکے اور پیچیدہ سے پیچیدہ مقدمات کا فیصلہ کر سکے۔ اس کا نسباً قریشی ہونا ضروری ہے۔ اصابت رائے اس حد تک ہو کہ موقع ومحل کے لحاظ سے کام کرے اور لوگوں سے مشورہ کرے لیکن ان مشوروں کو اپنی عقل کی ترازو پر تولے۔

ماوردی نے امام کی صفات کی ایک طویل فہرست تو تیار کر دی لیکن فارابی کی طرح اس نے ان صفات کے اشخاص دستیاب نہ ہونے کی صورت میں متبادل حل پیش نہیں کئے۔ فارابی نے اقتدار اعلیٰ کے لئے بارہ صفات گنوانے کے بعد خود محسوس کیا کہ ان تمام صفات کا ایک شخص میں مجتمع ہونا مشکل ہے اس لئے اس نے کہا کہ اگر ان بارہ میں سے کسی میں پانچ یا چھ صفتیں بھی ہوں تو بھی وہ اچھا فرمانروا بن سکتا ہے۔ اگر ایسا آدمی بھی دستیاب نہ ہو تو ایسے شخص کو ترجیح دی جائے گی جس نے اس شخص کے زیر تربیت پرورش پائی ہو جو ان اوصاف میں سے پانچ یا چھ وصفوں کا مالک ہو۔ اگر ایسا آدمی بھی میسر نہ ہو تو فارابی کے نزدیک ایسے پانچ آدمیوں کی کونسل کو ترجیح دی جائے گی جن میں مجموعی طور پر یہ خوبیاں پائی جاتی ہوں۔ بشرطیکہ ان میں کم از کم ایک "حکیم" (فلسفی) ہو۔

ماوردی چونکہ ایک منتخب امام کا قائل ہے اس لئے وہ راعی اور رعایا کے باہمی تعلقات کو "عقد" یا معاہدہ کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ عوام نے چونکہ امام کی اطاعت کرنے کا عہد کیا ہے اس لئے اس باہمی معاہدہ کی رو سے امام پر بھی چند فرائض عائد ہوتے ہیں۔ اس طرح ماوردی نے کئی سو سال قبل روسو، لاک اور ہابس کے معاہدۂ معاشری (SOCIAL CONTRACT) کو نہایت منطقی انداز میں پیش کیا ہے۔

امام کے فرائض کے سلسلے میں ماوردی کا کہنا ہے کہ اس پر دس فرائض عائد ہوتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) دین کی حفاظت کرنا اور اس بات کا خیال رکھنا کہ رعایا اس کے احکامات پر عمل پیرا ہو اور ممنوعات سے پرہیز کرے۔

(۲) عدل وانصاف کا بول بالا کرنا تاکہ قوی ضعیف پر ظلم نہ کر سکے۔

(۳) ملک میں امن وامان قائم کرنا۔

(۴) مجرمین کو سزا دینا۔

(۵) حدودِ حکومت کی حفاظت کرنا۔

(۶) اسلام کی تبلیغ واشاعت کرنا۔ اگر کوئی شخص قبولِ اسلام سے انکار کرے تو اس پر جزیہ عاید کرنا۔

(۷) عوام پر زیادتی کئے بغیر زکوٰۃ اور صدقات کی رقم وصول کرنا۔

(۸) مستحقین کو باقاعدہ وظیفے دینا۔

(۹) ایماندار اور قابل لوگوں کے سپردِ انتظامِ حکومت کرنا۔ بالخصوص والی و عامل نہایت قابل اور لائق لوگوں کو مقرر کرنا اور خزانہ کو نہایت دیانتدار اشخاص کے سپرد کرنا۔

(۱۰) امورِ سلطنت پر کڑی نظر رکھنا۔ لوگوں کے حقوق کی نگہداشت کرنا نیز امورِ سلطنت کے سوا اور کسی کام میں خواہ عبادت و زہد ہی ہو اس طرح مشغول نہ ہونا کہ کاروبارِ خلافت میں خلل واقع ہو یا معاملاتِ حکومت کو دوسروں کے سپرد کرنا پڑے۔

ماوردی ایسے زمانے میں گزرا ہے جبکہ خلافت عباسیہ نہایت کمزور ہو چکی تھی اور بے شمار خودمختار خاندان پیدا ہو گئے تھے جنھوں نے اسلامی مملکت کے مختلف حصوں پر قبضہ جما لیا تھا حتیٰ کہ دارالخلافہ بغداد بھی ان چیرہ دستیوں سے محفوظ نہ تھا۔ یہ لوگ عملی طور پر آزاد و خودمختار تھے اور خلافت کا اثر و رسوخ صرف اس قدر تھا کہ خطبوں میں خلفاء کا نام پڑھا جاتا تھا اور خلفاء کے فرائض میں اہم ترین فرض یہ تھا کہ سلاطین کو پُرشکوہ خطابات سے نواز کر کچھ حد تک خود کو ان کے حملوں سے محفوظ کرلے۔

ماوردی اگرچہ ہمیشہ ماضی کی طرف دیکھتا ہے لیکن ان خودمختار مملکتوں کا وجود اس زمانے میں اس قدر عام تھا کہ وہ بھی اس حقیقت کی طرف سے آنکھ نہ بند کر سکا۔ اس لئے اس نے ایسی امارت کے جواز کا فتویٰ ثبت کر دیا۔ اس کا کہنا ہے کہ خلافت کے اندر اگر بزور و قوت امارت وجود میں آجائے تو مجبوراً اس کی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہوگی بشرطیکہ امیر خلیفہ سے بالکل آزاد نہ ہو جائے۔ ایسی امارت کو اس نے "امارت الاستیلاء" کا نام دیا ہے۔ وہ امیر بالاستیلاء پر سات فرائض عائد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ان فرائض میں اگرچہ امام بھی شریک ہے لیکن امیر کی ذمہ داری بہت زیادہ ہے۔ امیر کے فرائض ماوردی نے حسب ذیل بتلائے ہیں:

(۱) منصبِ امامت و خلافت کو باقی رکھے۔

(۲) دینی اطاعت پر قائم رہے تاکہ امام کے مخالف ہونے کا اس پر شبہ بھی نہ کیا جا سکے۔

(۳) امام کے ساتھ عقیدت اور محبت کا سلوک کرے اور بروقت امام کی مدد سے بھی دریغ نہ کرے تاکہ مسلمانوں کی دھاک جمی رہے۔

(۴) دینی حقوق کا پاس کرنے اور احکامِ اسلام کو نافذ کرے۔

(۵) شرعی محاصل اس طرح وصول کرے کہ ادا کرنے والے واجباتِ شرعیہ سے سبکدوش ہو جائیں اور لینے والوں کے لئے یہ جائز ہو جائے۔

(۶) مجرمین پر حدود شرعی جاری کرے۔

(۷) دین کی حفاظت کرے اور دینی ممنوعات سے روکے۔

ان فرائض کی فہرست سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ماوردی نے امارت استیلا کو بالجبر والاکراہ قبول کیا ہے۔ اس کے نزدیک یہ ایک اضطراری کیفیت ہے۔ تاہم وہ اپنے ہمعصر نظام الملک طوسی کے خلاف امیر بالاستیلاء کو بھی امام کی طرح دینی اور دنیوی دونوں امور کا ذمہ وار ٹھہراتا ہے۔ طوسی نے خلیفہ اور امیر کی تقسیم کار اس طرح کی ہے کہ خلیفہ مذہبی معاملات پر مامور ہے اور سلطان دنیوی امور کا نگران ہے۔ اس طرح طوسی نے پوپ اور سیزر دونوں کے وجود کو تسلیم کر لیا ہے۔

وزارت

یہ بتلانا کہ وزارت کا عہدہ کب قائم ہوا بہت مشکل ہے۔ قیاس کہتا ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ اور وزارت جڑواں بچے نہیں ہیں تو او پر تلے کے ضرور ہیں۔ سلطان معاملات کے حل کرنے کے لئے دوسروں کے مشوروں کا محتاج ہے اور اس کی اس احتیاج نے وزیر کو جنم دیا ہے۔ یہ ضروری نہیں یہ عہدہ شروع سے ہی اسی نام سے موسوم رہا ہو۔ مسلمانوں میں اس عہدہ کو باقاعدہ طور پر تو عباس کے پہلے فرمانروا سفاح نے قائم کیا۔ اگرچہ عہدِ رسالت میں بھی حضرت ابو بکرؓ کی حیثیت کم وبیش وزیر کی تھی، اور خود ان کی خلافت میں یہ کام حضرت عمرؓ انجام دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو رسولِ خدا صلعم نے جیش اسامہ میں شامل کیا تھا۔ عنانِ خلافت کو ہاتھ میں لینے کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے حضرت اسامہؓ سے درخواست کی کہ حضرت عمرؓ کو مدینہ میں رہنے دیا جائے کیونکہ ان سے امورِ خلافت میں مشورہ کی ضرورت ہوگی۔

ماوردی نے وزارت پر ایک باب مخصوص کیا ہے۔ جس میں وزارت کی ضرورت، لفظ وزیر کے لغوی معنی اور وزیر کے اوصاف نیز اس کے اختیار کے لحاظ سے اس کی قسموں سے بحث کی ہے۔ وزارت کے جواز بلکہ وجوب کے متعلق اس نے حضرت موسیٰؑ کا واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت ہارونؑ ان کے وزیر تھے۔

ماوردی نے لفظ وزیر کے اشتقاق سے بھی بحث کی ہے۔ اس سلسلے میں اس کے مختلف مادے بتلائے ہیں، ایک تو یہ ہے وزیر "وِزر" سے مشتق ہے جس کے معنی بار یا بوجھ کے ہیں کیونکہ وزیر پر مملکت کے کاروبار کا بوجھ یا ذمہ داری ڈال دی جاتی ہے۔ اس کا مادہ "موزر" بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی پناہ گاہ کے ہیں چونکہ بادشاہ مہمات کے وقت وزیر کے دامن میں پناہ لیتا ہے اس لئے اس کا نام وزیر ہو گیا۔ ماوردی نے ایک اور مادہ بھی بتلایا ہے اس کا کہنا ہے کہ لفظ وزیر کا مادہ "ازر" ہو سکتا ہے جس کے معنی پشت کے ہیں کیونکہ وزیر بادشاہ کی پشت پناہی کرتا ہے اور بادشاہ وزیر سے قوت وطاقت حاصل کرتا ہے جس طرح کہ جسم پشت سے حاصل کرتا ہے اسی لئے وہ وزیر کہلایا۔

ماوردی نے وزیر کے اوصاف سے بالتفصیل بحث کی ہے۔ اس نے یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ اگرچہ

براہِ راست از روئے مذہب وزیر میں ان اوصاف کا ہونا ضروری نہیں ہے لیکن بالواسطہ ان اوصاف کا ہونا مذہباً ضروری ہے کیونکہ ان اوصاف کے بغیر دنیاوی کاروبار کا جاری رہنا ناممکن ہے اور ان کاروبار کا تعلق عوام کے مفاد اور اصلاحِ قوم سے بھی ہے اور مذہب بھی ان دونوں چیزوں سے متعلق ہے۔

ماوردی نے وزیر کے اوصاف کے سلسلے میں مامون کا قول نقل کیا ہے مامون کہا کرتا تھا کہ "میں چاہتا ہوں کہ امورِ مملکت کو ایسے شخص کے سپرد کردوں جس میں متعدد صفات پائے جاتے ہوں۔ جو کردار کے لحاظ سے عفیف و پاکباز ہو اور خود پر اسے قابو حاصل ہو۔ جس کے چال چلن میں ہم آہنگی اور یکسانیت ہو۔ ادب کے مطالعہ نے اسے مہذب اور شائستہ کردیا ہو، تجربے نے اسے دانا اور ہوشیار بنا دیا ہو۔ رازدار، عقدوں کا حل کرنے والا ہو۔ خاموش ہو تو رعب برسے اور جب گفتگو کرے تو علم کے دریا بہادے۔ نہایت قانع ہو۔ پھٹے پرانے کپڑوں پر بھی مطمئن ہو۔ وہ کمانڈر کا حوصلہ، فلسفی کا ثبات، عالم کا اخلاق اور فقیہ کی سمجھ کا مالک ہو۔ جب اس کے ساتھ نیکی کی جائے تو احسان مانے اور جب اسے بدی کے ذریعہ آزمایا جائے تو صابر نکلے۔ کل کی مایوسی کے خیال سے آج کے عیش و آرام پر لات مار دے اور اپنی شیریں کلامی اور نرم گفتاری سے لوگوں کے دل موہ لے۔"

مامون کے اس مقولہ کے ذریعہ ماوردی نے وزراء میں سات خوبیوں کو ضروری قرار دیا ہے۔ (۱) دیانتداری (۲) خود اعتمادی (۳) حریص نہ ہونا (۴) لوگوں سے عمدہ تعلقات (۵) دیانت کے ذریعے معاملات کی تہ تک پہنچنے کی صلاحیت (۶) عیش و آرام سے بے تعلقی (۷) موقع شناسی اور تجربہ کاری۔

خلفاء عباسیہ میں اختیارات کے لحاظ سے وزیر دو طرح کے ہوتے تھے۔ ایک وہ جن کو غیر محدود اختیارات حاصل تھے اور وہ سلطنت کے سیاہ و سپید کے مالک تھے۔ اس قسم کے وزیر پہلے دو خلفاء یعنی سفاح اور منصور کے عہد میں نہیں تھے۔ مہدی پہلا عباسی خلیفہ تھا جو عیش و آرام اور سیر و شکار کا دلدادہ تھا۔ اس لئے اس نے کلی اختیارات والے وزرا کا تقرر کیا اور اس قسم کے وزرا ہادی اور ہارون کے عہد میں برامکہ کے زوال تک برسرِ اقتدار رہے۔ مامون کے قیام مرو کے دوران میں بھی فضل بن سہل وزیر نہایت وسیع اختیارات کا مالک تھا۔ دوسری قسم کے ایسے وزیر جن کے اختیارات محدود ہوتے تھے۔ سفاح اور منصور کے عہد میں اسی قسم کے وزیر تھے۔

ماوردی نے دونوں قسم کے وزراء سے تفصیلی بحث کی ہے اور ان کے اختیارات پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے پہلی قسم کی وزارت کو وزارت التفویض کا نام دیتا ہے اور دوسری قسم کی محدود اختیارات والی وزارت کو وزارت التنفیذ کے نام سے یاد کرتا ہے۔

وزارت التفویض کے بارے میں ماوردی کا کہنا ہے کہ امام کاروبارِ حکومت کو چلانے کے لئے کسی معتمد علیہ کو مقرر کرتا ہے اور یہ شخص اپنے نظریات اور خیالات کے مطابق اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔ ماوردی کے نزدیک اس قسم کی وزارت ممنوع نہیں ہے کیونکہ امام کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ سلطنت کے تمام امور کو خود انجام دے۔ اس لئے وہ کسی نہ کسی نائب کو مقرر کرنے پر مجبور ہے۔

وزیرِ تفویض کو بھی ماوردی کے خیال میں ان ہی صفات کا حامل ہونا چاہیئے جو امام کے لئے ضروری ہیں البتہ امام کے مقابلے میں وزیر میں ایک صفت کم اور ایک صفت زیادہ ہونی چاہیئے۔ وزیر کے لئے امام کی طرح قریشی ہونا ضروری نہیں۔ اور وزیر کو امام کے مقابلے میں محصولات کی وصولی میں زیادہ کفایت شعار اور دفاع اور خزانہ کے امور میں زیادہ ماہر ہونا چاہیئے۔ وزیر کا امام ہی کی طرح مجتہد ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ وزیرِ تفویض کو پالیسی متعین کرکے ماتحت عملے سے ان پر عمل درآمد کرانا پڑتا ہے۔

وزیرِ تفویض کے اختیارات کے بارے میں ماوردی کا خیال ہے کہ وہ سلطنت کے امور کی انجام دہی میں مختارِ کل ہے کہ وہ اپنی مرضی اور رائے کے مطابق اس کے کاروبار کو چلائے۔ وہ فصل خصومات خود کرسکتا ہے یا اس غرض کے لئے جج مقرر کرسکتا ہے۔ اسی طرح وہ مظالم کے واقعات میں تحقیق کرنے یا کسی دوسرے کو ناظر المظالم کی حیثیت سے مقرر کرنے کا مجاز ہے۔ غرضیکہ تین چیزوں کے سوا وزیرِ تفویض کے وہی اختیارات ہیں جو امام کے ہیں۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں :

(۱) امام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی فرد کو حق خلافت سے محروم کرسکتا ہے لیکن وزیر اس کا مجاز نہیں۔

(۲) امام اپنا ولیعہد مقرر کرسکتا ہے جس کا اختیار وزیر کو نہیں ہے۔

(۳) امام وزیر کے مقرر کردہ شخص کو معزول کرسکتا ہے لیکن وزیر امام کے مقرر کردہ کو برطرف نہیں کرسکتا۔

وزیرِ تفویض کے اختیارات کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے ماوردی کہتا ہے کہ امام وزیر کے روزمرہ کے کاروبار میں دخل نہیں دے سکتا ہے مثلاً وزیر انتظامی معاملات میں کوئی حکم صادر کرے یا کسی جائداد کے متعلق کوئی حکم دے اور امام محسوس کرے کہ وزیر سے غلطی سرزد ہوئی تو بھی وہ وزیر کے احکام میں ردوبدل نہیں کرسکتا ہے البتہ بنیادی مسائل یا ایسے معاملات میں جن کے نتائج دوررس ہوں امام دخل دے سکتا ہے مثلاً کسی صوبے کے گورنر کے تقرر میں یا جنگی تیاریوں یا جنگی مہمات کے جاری رکھنے میں امام کا خیال ہو کہ وزیر حق بجانب نہیں ہے تو امام وزیر کے حکم کو کالعدم قرار دے کر دوسرا حکم نافذ کرسکتا ہے۔

وزارتِ تفویض بہت بڑی حد تک آج کل کے جمہوری ملکوں کی وزارتِ عظمیٰ کے مترادف ہے۔ ماوردی کے خیالات اس لحاظ سے کسی قدر جدید ہیں آجکل کے متمدن ممالک میں صدر مملکت اور وزیر اعظم کے تعلقات کی بھی

نوعیت کے وزارتِ تنفیذ کے اختیارات بہت محدود ہوتے ہیں اس لئے اس کی شرائط بھی نسبتاً آسان ہیں۔ اس قسم کا وزیر ایک طرف امام اور دوسری طرف عوام اور گورنر کے درمیان میں کڑی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا کام صرف یہ ہے کہ امام جو حکم دے اسے بجا لائے اور جو فرمان جاری کرے اس کے مطابق عمل کرے۔ اس کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ گورنروں کی تقرری اور جنگی تیاریوں کے متعلق معلومات فراہم کرے اور ان سے امام کو آگاہ کرتا رہے۔ گورنروں کے چال چلن اور ان کے عام حالات کے متعلق بھی امام کو اطلاع دیتا رہے۔

وزیر تنفیذ کے لئے ضروری نہیں کہ وہ آزاد ہو یا مسلمان ہی ہو۔ بلکہ غلام یا ذمی بھی اس عہدے پر فائز کیا جا سکتا ہے اور اسے وزیر تفویض کی طرح دفاع اور خزانہ کے شعبوں میں مہارت کی چنداں ضرورت بھی نہیں۔ وزیر تنفیذ نہ تو فصل خصومات کرسکتا ہے اور نہ ہی گورنروں کا تقرر اس کے حیطۂ اختیار میں داخل ہے۔ جنگی مہمات میں بھی اسے کوئی سروکار نہیں۔ اور نہ ہی سرکاری خزانے سے رقوم کے برآمد کرانے کے اختیارات اس کو حاصل ہوتے ہیں۔

ماوردی کا قول ہے کہ امام ایک ہی وقت میں چند وزراء تنفیذ کو مقرر کرسکتا ہے۔ کئی وزیر ہونے کی صورت میں اگر ایک وزیر برخاست کردیا جائے تو دیگر وزراء حسب معمول اپنے عہدوں پر قائم رہیں گے۔ لیکن وزیر تفویض کو امام معزول کردے تو تمام وزراء خود بخود برخاست ہو جائیں گے جیسا کہ اس زمانے میں بھی عام وزیر کے برخاست کر دیئے جانے کی صورت میں کابینہ برقرار رہتی ہے اور وزیرِ اعظم کی معزولی دیگر وزراء کو بھی ان کے عہدوں سے برطرف کر دیتی ہے۔

خلفاء راشدہ کے عہد میں بہت سے نئے نئے محکمے قائم ہوئے اور ایسے ہی اموی عہد میں بھی ضرورت وقت کے مطابق متعدد صیغے معرضِ وجود میں آئے جن کا ایک ایک افسر اعلیٰ ہوا کرتا تھا۔ مثلاً صاحب بیت المال، کاتب الدیوان، کاتب الرسائل، صاحب البرید وغیرہ۔ ماوردی کا خیال ہے کہ اگر ان افسروں سے امام اپنے اپنے محکموں کے بارے میں مشورہ کرے تو وہ وزیر کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔ وزیر تنفیذ اور سکریٹری میں فرق صرف اس قدر ہے کہ امام وزیر سے مشورہ کرتا ہے اور سکریٹری اس اعزاز سے محروم ہوتا ہے۔

(باقی آیندہ)